32

# وقت آگیا ہے کہ جماعت تبلیغ کے لئے وفد در وفد نکلے

(فرمودہ 6 ستمبر 1946ء بمقام ڈلہوزی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"قرآن کریم میں رسولوں کا ایک ہی کام بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا 1 کہ ہم نے تجھے ایک ہی کام کے لئے بھیجا ہے جس کے دو حصے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تُو مومنوں کو بشارت دے اور دوسرے متکبر اور سرکش انسانوں کو ہوشیار کرے۔ اِس آیت سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ نبی کا کام یہ ہے کہ جو لوگ اُس پر ایمان لے آئیں اُن کی تربیت کرے اور جو اسے نہیں مانتے ان کو سمجھائے کہ وہ سچائی کو قبول کر لیں۔ نبی اپنے ماننے والوں کے لئے بشیر اور نہ ماننے والوں کے لئے نذیر ہوتا ہے۔ نبی کی تعلیم پر عمل کرنے سے دنیا میں نیکی اور تقویٰ پھیلتا ہے اور بنی نوع انسان کو آرام اور سُکھ کی زندگی نصیب ہوتی ہے اور بلحاظ نذیر ہونے کے غافل لوگوں کو اُن کی خوابِ غفلت سے جگایا جاتا ہے اور سیدھے راستے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ انبیاء جو کام شروع کرتے ہیں اُن کی وفات کے بعد اُن کی جماعتیں اُن کاموں کو جاری رکھتی ہیں۔ نبوت کی ضرورت اُسی وقت ہوتی ہے جب لوگ ہدایت سے دور چلے جاتے ہیں اور پہلے نبی کی تعلیم اور اُس کے مشن کو بالکل بھول جاتے ہیں اور ان کی تبلیغی جدوجہد ختم ہو جاتی ہے۔ دلوں میں محبت کی بجائے شقاق اور نفاق جاگزین ہو جاتا ہے اور ان میں اِس قدر پراگندگی پیدا ہو جاتی ہے کہ ان دلوں کا جمع کرنا محال ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت میں نبی آتا ہے وہ آکر اُن چیزوں کو دور کرتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کے عقائد

اور اخلاق سہولت کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتے بلکہ ایک بہت بڑی کشمکش کے بعد حق غالب آتا ہے اور باطل اپنی پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے۔ جب لوگ اپنے غلط عقیدوں پر پختہ ہو جاتے ہیں تو وہ ان کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ان غلط عقائد کو ان کے دلوں سے نکالنے کے لئے کافی وقت لگتا ہے۔ معمولی معمولی عادتوں کو چُھڑوانا بعض اوقات کئی سال لگا دیتا ہے۔ تو غلط عقائد کس طرح یکدم بدلے جاسکتے ہیں۔ بڑے آدمی تو ایک طرف رہے بچوں کی بدعادات کا دور کرنا ہی بہت مشکل ہو جاتا ہے اور اس کے لئے ایک بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ جب بچوں کی بد عادات بہت مشکل سے چُھڑائی جاسکتی ہیں تو کسی انسان کا یہ سمجھ لینا کہ وہ بڑے آدمیوں کے اعمال و عقائد کو آسانی سے تبدیل کرلے گا سراسر نادانی ہے۔ اس کام کے لئے جب تک رات دن ایک نہ کئے جائیں کامیابی ناممکن ہے۔

حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے لوگوں نے انبیاء کے پیغام کو آسانی اور سہولت سے نہیں مانا۔ اگر وہ ماننے کے لئے تیار ہوتے تو اُن کو دکھ اور تکلیف کیوں دیتے۔ حضرت آدمؑ کو اُس مقام سے نکلنا پڑا جس کو قرآن کریم نے جنت کہا ہے اور اُنہیں پُر مصائب زندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت نوحؑ کو بھی دشمنوں کی تکلیفوں کی وجہ سے اپنا ملک چھوڑنا پڑا۔ قوم کے اس سلوک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُن پر طوفان لایا اور اُن کو غرق کر دیا۔ اگر وہ آسانی سے مان جاتے اور حضرت نوحؑ سے اس قسم کا سلوک نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو غرق نہ کرتا۔ حضرت ابراہیمؑ کے لئے اُن کے دشمنوں نے چِتا تیار کی اور اُن کو آگ میں ڈال کر جلانے کا ارادہ کیا۔ آخر حضرت ابراہیمؑ کو ہجرت کرنی پڑی اور اپنے ملک کو خیر باد کہنا پڑا۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم نے فرعون کے ہاتھوں بہت سے دکھ اٹھائے۔ آخر اپنے ملک کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ فرعون نے پیچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور آپ کے ساتھیوں کو نجات دی اور فرعون کو غرق کر دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے دشمنوں نے بھی وہی پہلی چال چلی۔ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر لٹکا کر مارنے کی کوشش کی گئی، آپ کے حواریوں کو مارا پیٹا گیا اور بعض کو شہید کیا گیا اور ایک لمبے عرصے یعنی تین سَو سال کے بعد جا کر آپؑ کی جماعت قائم ہوئی۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو جو دکھ دیئے گئے تمام انبیاء کے مخالفین سے

بڑھ کر تھے۔ آپؐ کے دشمنوں نے بے گناہ بچوں اور عورتوں کو قتل کیا اور اِس قدر مظالم کئے کہ اُن کو بیان کرتے ہوئے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہر نبی کے خلاف اس کے دشمنوں کا کینہ و بُغض بتاتا ہے کہ غلط عقائد کو دلوں سے نکالنا آسان کام نہیں۔ ہمارے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کے دشمنوں نے تکلیفیں دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ آپ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے جہاں آئینی حکومت تھی اور دشمن اپنی ناپاک کوششوں کے باوجود آپ کو کسی قسم کی گزند نہ پہنچا سکے۔ لیکن ہندوستان سے باہر افغانستان میں ہمارے پانچ احمدی شہید کئے گئے، مصر میں ایک احمدی شہید کیا گیا اور کئی ملکوں میں احمدیوں کو بہت سی تکلیفیں دی گئیں۔ ابھی پیچھے ہی ایک احمدی دوست شریف دوتسا نامی جو کہ البانیہ کے رہنے والے تھے امن پسند ہونے اور کمیونزم کے خلاف آواز اٹھانے کی وجہ سے شہید کئے گئے۔ ہمارے ملک میں چونکہ آزاد حکومت نہ تھی اِس لئے دشمن احمدیوں کو سنگسار نہ کرسکے اور نہ ہی ان کو پھانسی پر لٹکا سکے۔ اِس کے سوا احمدیوں کو ہر قسم کی تکلیفوں کا نشانہ بنایا گیا۔ انہیں گھروں سے بے گھر اور وطن سے بے وطن کر دیا گیا اور جہاں تک بس چلا مار پیٹ سے بھی دریغ نہ کیا۔ قادیان میں ہی جس کے ہم مالک ہیں لوگوں نے آپس میں سمجھوتہ کر کے ہمارا کُلّی طور پر مقاطعہ کر دیا۔ قادیان کے حجاموں کو منع کر دیا گیا کہ وہ ہماری حجامت نہ بنائیں، دھوبیوں کو منع کر دیا گیا کہ وہ ہمارے کپڑے نہ دھوئیں، کمہاروں کو منع کر دیا گیا کہ وہ ہمیں برتن بنا کر نہ دیں، قصابوں کو منع کر دیا گیا کہ وہ ہمیں گوشت نہ دیں۔ غرض ہر قسم کی تکلیفیں ہمیں دی گئیں۔ یہاں تک کہ مسجد کے آگے دیوار کھینچ دی گئی کہ احمدی نماز پڑھنے کے لئے نہ آسکیں جو کہ دو سال کے مقدمے کے بعد گرائی گئی اور آج تک اِس قدر گالیاں قادیان میں دی جاتی ہیں کہ جن کی کوئی حد ہی نہیں۔ قادیان سے باہر تو احمدی اَور بھی زیادہ تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ گاؤں میں کمین لوگوں میں سے کوئی اگر احمدی ہو جاتا تھا تو اُس کا گاؤں میں رہنا محال ہو جاتا تھا۔ کمزور اور غریب زمینداروں کی فصلیں کاٹ لی جاتی تھیں اور اس طرح انہیں مجبور کیا جاتا کہ وہ احمدیت کو چھوڑ دیں۔ قادیان میں جس کے ہم مالک ہیں ہمارے ساتھ ایسا تکلیف دہ سلوک کیا جاتا تھا تو باہر والوں سے کیا کچھ ہوا ہو گا۔ ہماری جماعت میں

سینکڑوں انسان ایسے ہیں جن کو اِس قسم کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سینکڑوں والدین ایسے ہیں جن کو ان کے بچوں نے احمدیت کی وجہ سے چھوڑ دیا اور سینکڑوں بچے ایسے ہیں جن کو ان کے والدین نے احمدیت کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ سینکڑوں خاوند ایسے ہیں کہ احمدی ہو جانے کی وجہ سے ان کی بیویوں نے ان کے گھر رہنے سے انکار کر دیا اور سینکڑوں عورتیں ایسی ہیں جن کے خاوندوں نے ان کے احمدی ہو جانے کی وجہ سے ان کو طلاق دے دی اور بعض والدین نے تو یہاں تک کیا کہ اپنے احمدی بچوں کو اپنی جائیداد سے ہی لاوارث کر دیا۔ یہاں ڈلہوزی میں ہی ایک احمدی دوست ملنے کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ میرے والد صاحب نے مجھے جائیداد سے لاوارث کر دیا ہے۔ جب سے مَیں احمدی ہوا ہوں پہلے سے بہت زیادہ ان کی خدمت کرتا ہوں اور جو مانگتے ہیں حاضر کرتا ہوں حالانکہ میری مالی حالت اچھی نہیں۔ باوجود ان تمام باتوں کے میرے والد صاحب نے لکھ دیا ہے کہ مَیں اسے لاوارث کرتا ہوں۔ یہ لمبا سلسلہ عداوتوں کا بتاتا ہے کہ انبیاء کے دشمنوں کو انبیاء اور ان کی جماعتوں سے کس قدر کینہ اور بُغض ہوتا ہے اور اسے آسانی سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ اسے دور کرنے کے لئے ایک بہت بڑی جدوجہد اور قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس جب تک ہماری جماعت دیوانہ وار تبلیغ میں لگ نہ جائے اور جب تک دنیا اسے مجنون نہ کہنے لگ جائے اُس وقت تک تبلیغ کامیاب نہیں ہو سکتی۔

آج ہم بھی اسی رستہ پر چل رہے ہیں جس پر پہلے انبیاء کی جماعتیں چلتی رہی ہیں۔ اگر حضرت نوحؑ کے زمانہ میں حضرت نوحؑ کی جماعت کو دیوانہ اور مجنون کہا گیا، اگر حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں آپ کی جماعت کو دیوانہ اور پاگل کہا گیا، اگر حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں آپ کی جماعت کو دیوانہ اور پاگل کہا گیا، اگر حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں آپ کی جماعت کو پاگل اور مجنون کہا گیا، اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے ساتھیوں کو مجنون اور دیوانہ سمجھا گیا تو کیا وجہ ہے کہ ہماری جماعت کو دیوانہ اور مجنون نہیں کہا جاتا۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ابھی ہماری کوشش اس مقام پر نہیں پہنچی اور ابھی ہم نے اس رنگ میں کام شروع نہیں کیا کہ دنیا ہمیں مجنون سمجھنے لگ جائے۔ بغیر دیوانہ کہلائے منزلِ مقصود تک پہنچنا مشکل ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے

ہماری کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے ابتلاؤں کے زمانہ کو لمبا کر دیا تا کہ ہمیں تکالیف سہنے کی عادت پیدا ہو جائے اور جُوں جُوں ہماری طاقت بڑھتی جائے، تُوں تُوں ہم پر آہستہ آہستہ بوجھ لادا جائے۔ لیکن اب مَیں دیکھتا ہوں کہ جماعت کے لئے ابتلاؤں کے دن قریب سے قریب تر ہوتے جارہے ہیں اور اِس وقت اِس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم تبلیغ کو وسیع کریں اور تبلیغ کے لئے نئے نئے مرکز کھولیں اور ہندوستان اور بیرونی مراکز کو مضبوط کریں۔ اور یہ کام ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ جماعت کی مرکزی ضروریات پوری نہیں ہوتیں اور جب تک مرکز ہر رنگ میں مضبوط نہیں ہوتا اُس وقت تک تبلیغ کو وسعت نہیں دی جاسکتی۔ کام کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو احمدیت کے مقابل پر دو چار لاکھ، دس لاکھ یا بیس لاکھ آدمیوں کو احمدی بنانے کا سوال نہیں بلکہ صرف ہندوستان میں ہی چالیس کروڑ انسان رہتے ہیں۔ اِتنی بڑی تعداد کو احمدیت میں داخل کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ساری دنیا کے لئے آئے ہیں اور ہم نے ساری دنیا کو احمدی بنانا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے آقا کے نقشِ قدم پر آئے ہیں۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی بعثت تمام دنیا کے لئے تھی۔ اب آپؐ کے بعد جو بھی آپ کا غلام آئے گا وہ بھی تمام دنیا کے لئے آئے گا۔ لیکن رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو فوری طور پر جس ملک سے واسطہ پڑا اُس وقت اُس کی تعداد دس بارہ لاکھ تھی۔ گویا جتنی آبادی اس وقت تمام عرب کی تھی آج اُتنی آبادی صرف ضلع گورداسپور کی ہے۔ لیکن کیا ہماری تبلیغ کا وہی حال ہے جو صحابہؓ کی تبلیغ کا تھا۔ اگر صرف ضلع گورداسپور میں ہی ہماری اکثریت ہو جاتی تو بھی کسی حد تک اپنے آپ کو تبلیغ میں کامیاب سمجھ سکتے تھے لیکن ابھی ضلع گورداسپور میں بھی ہماری تبلیغ مؤثر نہیں سمجھی جاسکتی۔ اور پنجاب میں تیس ضلعے ہیں اور پنجاب کی کُل آبادی دو کروڑ اَسّی لاکھ کے قریب ہے۔ گویا رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے زمانہ سے پچیس گُنے زیادہ ہے۔ اس آبادی کے لحاظ سے ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم پچیس گُنے زیادہ تبلیغ کریں اور اگر سارے ہندوستان کو تبلیغ کرنا چاہیں تو ہمیں تین سو ساٹھ گُنے زیادہ تبلیغ کرنی چاہئے۔ گویا اگر صحابہ کرامؓ نے ایک دن تبلیغ کی تو ہمیں سال بھر تبلیغ کرنی چاہئے۔ لیکن صحابہؓ نے جو تیاری اپنے اس ایک دن کے لئے کی تھی ہم وہ تیاری تین سو ساٹھ دنوں کے لئے بھی

نہیں کرتے بلکہ صحابہؓ کی ایک دن کی تیاری سے دسواں حصہ بھی تیاری نہیں کرتے۔ ہر کام کے لئے اس کے مناسبِ حال محنت اور تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص نے دس سیر آٹا پکانا ہے تو اُسے اُس کے مطابق تیاری کرنی چاہیئے۔ اور اگر ایک شخص نے ایک سیر آٹا پکانا ہے تو اُسے اس کے مطابق تیاری کرنی چاہیئے۔ لیکن اگر ایک سیر والا تو اپنے لئے سامان جمع کرے اور جتنی چیزوں کی ضرورت ہے وہ سب مہیا کرے لیکن جس نے دس سیر آٹا پکانا ہے وہ نہ لکڑیاں لائے اور نہ ہی دوسرا سامان جمع کرے تو ایسے شخص کو ہر انسان بے وقوف اور بداندیش کہے گا۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے گھر میں ایک مہمان آتا ہے وہ اس کے لئے بھاگ دوڑ کرتا ہے، بازار سے سودا لاتا ہے، اگر کوئی چیز گھر میں موجود نہیں ہے تو وہ ہمسایہ کے گھر سے مانگ لیتا ہے اور اپنے مہمان کو اچھی طرح کھانا کھلاتا ہے۔ جب اس کا مہمان کھانا کھالے گا تو وہ اس کے لئے عزت کا موجب ہو گا اور اسے عین وقت پر کوئی پریشانی نہ ہو گی۔ کیونکہ اس نے تمام اشیاء وقت سے پہلے جمع کر لی تھیں۔ لیکن ایک دوسرا شخص ہے جس کے گھر میں سو مہمان آئے ہیں لیکن اسے کوئی فکر نہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے کہ ابھی بہت وقت ہے سب انتظام ہو جائے گا لیکن کھانے کے وقت وہ مہمانوں کے کھانے کا انتظام نہیں کر سکا تو جو اسے ندامت اٹھانی پڑے گی اس کا قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا۔ عقلمند انسان وہی ہوتا ہے جسے یہ احساس ہو کہ مجھے ان ان چیزوں کی ضرورت پڑنے والی ہے اور وہ ان کے لئے پہلے سے تیاری شروع کر دے۔ پس اگر ہم پورے طور پر تبلیغ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں عرب سے تین سو ساٹھ گُنے زیادہ تبلیغ کرنی چاہیئے اور ہمیں صحابہؓ سے تین سو ساٹھ گُنے زیادہ قربانی کرنی چاہیئے۔

صحابہؓ کی شاندار قربانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت جلد فتح عطا کی۔ مہاجرین اور انصار کے نام اس لئے عزت سے لئے جاتے ہیں کہ انہوں نے بہت شاندار قربانیاں پیش کیں اور اپنی جان و مال اور عزت ہر چیز کی قربانی کر کے اسلام کی بنیاد قائم کی۔ صحابہؓ کے بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام حنبلؒ، حضرت امام شافعیؒ جیسے لوگ آئے۔ ان لوگوں نے بھی اسلام کی بہت خدمت کی لیکن ان کا کام ایسا ہی تھا کہ مکان بن چکا ہو اور اس میں بیل بُوٹے بنائے جائیں۔ بے شک یہ لوگ بھی بڑے پائے کے

انسان تھے لیکن ان سے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت حسانؓ کا کام بھی زیادہ شاندار رہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت حسانؓ نے اُس وقت کام کیا جس وقت اسلام کی بنیاد رکھی جارہی تھی اور اسلامی عمارت تعمیر ہورہی تھی۔ لیکن بعد میں آنے والوں نے اس مکان میں بیل بوٹے بنانے کا کام کیا۔ اگر مکان میں بیل بُوٹے نہ ہوں تو بھی گزارہ ہو سکتا۔ لیکن مکان کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا۔ جو کام حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے کیا۔ اگر وہ اِس کام کو سرانجام نہ دیتے تو آج اسلام نہ ہوتا۔ لیکن جو کام حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام حنبلؒ اور حضرت امام شافعیؒ نے کیا۔ اگر وہ یہ کام نہ بھی کرتے تو بھی اسلام باقی رہتا۔

پس صحابہؓ کی عزت بعد میں آنے والے بزرگوں سے اس لئے زیادہ ہے کہ اسلام کی بنیاد ان کے ذریعہ پڑی۔ ورنہ روحانی لحاظ سے تو مَیں سمجھتا ہوں کہ آج بھی انسان صحابہؓ کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آج کوئی شخص صحابہؓ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا تو وہ غلط کہتا ہے کیونکہ خود قرآن کریم کہتا ہے ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ 2 اور اِسی سورۃ میں دوسری جگہ ہے ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔ 3 اِن آیات سے صاف پتہ لگتا ہے کہ بعد میں بھی کچھ لوگ صحابہؓ کے درجہ کے ہوں گے۔ گو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قُرب کی وجہ سے پہلے لوگوں میں سے ایسے لوگ زیادہ تھے اور بعد میں آنے والوں میں سے تھوڑے ہوں گے کیونکہ اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بُعد ہو چکا ہو گا۔ آپؐ کے قُرب کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ جیسے لوگ سینکڑوں میں سے بیسیوں تھے اور آپ کے زمانہ کے بُعد کی وجہ سے آپ کے بعد آنے والوں میں سے لاکھوں میں سے سینکڑوں ہوں گے لیکن ہوں گے ضرور۔ اور کوئی وقت اسلام پر ایسا نہیں آیا اور نہ ہی آسکتا ہے جبکہ اسلام پر بالکل اندھیرا چھا جائے۔ مَیں سمجھتا ہوں جہاں تک روحانی مدارج کا سوال ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام حنبلؒ، حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ اور معین الدین چشتیؒ میرے نزدیک کئی صحابہؓ سے کم نہ تھے۔ لیکن جہاں تک مقامِ عزت کا سوال ہے یہ لوگ صحابہؓ سے کم ہیں

کیونکہ صحابہؓ اسلام کی عمارت کی بنیاد رکھنے والے تھے اور یہ لوگ اس عمارت کو سجانے والے تھے۔ یہ دونوں گروہ عزت کے لحاظ سے ایک جیسے نہیں ہوسکتے۔

پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قربانی ہم پر عائد کی گئی ہے جب تک ہم وہ قربانی نہ کریں اُس وقت تک ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی برکت اور رحمت کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ اگر ہمیں جلدی جلدی فتوحات حاصل نہیں ہوئیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی ہم میں غفلتیں اور سُستیاں موجود ہیں جو ہمیں کامیابی کے قریب نہیں جانے دیتیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور اس کے فضلوں کے دروازے ہمارے لئے بند نہیں۔ اگر پہلی جماعتوں نے قربانی کرکے اللہ تعالیٰ کو راضی کرلیا اور سینکڑوں طرح کی رحمتیں اور فضل ان پر نازل ہوئے۔ تو کیا وجہ ہے کہ اگر ہم بھی اسی قسم کی قربانیاں کریں تو اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اپنے فضلوں کے دروازے نہ کھولے۔ ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ کا کوئی رشتہ تھا کہ وہ ان کو جلدی کامیاب کردے اور ہمارے لئے دیر کرتا چلا جائے۔ حقیقت یہی ہے کہ جو شخص بھی صحابہؓ جیسے کام کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے صحابہؓ جیسا ہی سلوک کرے گا۔ جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں جیسے کام کرے گا اللہ تعالیٰ اُس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں جیسا ہی سلوک کرے گا۔ جو شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں جیسے کام کرے گا اللہ تعالیٰ اُس سے آپ کے ساتھیوں جیسا سلوک ہی کرے گا۔ جو شخص حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں جیسے کام کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے آپ کے ساتھیوں جیسا ہی سلوک کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ منصف ہے اور عادل ہے وہ ہر ایک سے عدل کرتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے کہ وہ رحم کرکے عمل سے اس کی مزید جزا دیتا ہے اور وہ کسی کا حق نہیں مارتا۔ ہماری جماعت بھی اگر قربانیوں میں صحابہؓ کا رنگ اختیار کرے اور تبلیغ کے لئے نکل کھڑی ہو تو وہ کامیابی کو بہت قریب پائے گی۔

مَیں نے کل رات ایک رؤیا دیکھا ہے جس میں جماعت کو تبلیغ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں ایک کمرے میں ہوں اور خواب میں یہی سمجھتا ہوں کہ مَیں قادیان میں ہوں۔ کمرے میں کچھ لوگ میرے سامنے ہیں اور کچھ لوگ دروازہ میں سے

نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مَیں جماعت کے دوستوں کو جماعت وار تبلیغ کے متعلق ہدایات دے کر تبلیغ کے لئے رخصت کر رہا ہوں۔ ایک وفد میرے سامنے آیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے مَیں اُن کو ہندوؤں کی طرف بھیج رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے اس وقت میں جوش کے ساتھ ان کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ جاؤ یہ علاقے ہندوؤں کے ہیں ان میں پھیل جاؤ اور اُن کو کہو کہ جس اوتار کے آنے کی خبر تمہاری کتب میں ہے وہ اوتار آچکا ہے تم اُسے مان لو۔ اگر نہیں مانو گے تو تم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مورِد بن جاؤ گے۔ تم اب اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دو گے جبکہ وہ بھی جو اس اوتار کا مثیل ہے آگیا ہے اور تمہیں مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ تم اپنی زندگی برباد نہ کرو۔ پھر ان سے یہ بھی کہو کہ آنے والا اوتار اور اس کا مثیل بھی اپنے آپ کو محمد رسول اللہ ﷺ کا خادم کہتے ہیں۔ پس تم کو محمدؐ رسول اللہ پر ایمان لا کر مسلمان ہونا پڑے گا۔ پھر مَیں اس وفد میں جانے والے دوستوں کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ اب تم جاؤ اور اس تمام علاقے میں چھا جاؤ۔ خواب میں مَیں دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ اٹھ کر چلے گئے ہیں اِسی طرح میرے پاس مبلّغوں کا ایک تانتا بندھا ہوا ہے جن کو مَیں مختلف قوموں کی طرف بھیج رہا ہوں۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس رؤیا میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر جماعت جلدی کامیاب ہونا چاہتی ہے تو اسے تبلیغ کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ ہونا چاہئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہندوؤں میں تبلیغ کو مؤثر بنانے کے رستے کھولے گا اور ہندوؤں میں یہ تجسس پیدا ہوگا کہ وہ اسلام کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے جو کہ ہندوؤں کے متعلق ہے اے ردّھر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی ہے۔4 اسی طرح آپ کا ایک اَور الہام ہے "جے سنگھ بہادر"5 یہ عجیب بات ہے کہ ہندو شروع شروع میں "بندے ماترم" کا نعرہ لگاتے تھے۔ اب انہوں نے "بندے ماترم" کا نعرہ چھوڑ دیا ہے اور اب "جے ہند" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ جاپان سے لڑائی کے دوران میں سبھاش چندر بوس6 نے جو آزاد ہند فوج کھڑی کی۔ پہلے اس نے "جے ہند" نعرہ لگانا شروع کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آہستہ آہستہ ہندوؤں نے "بندے ماترم" کا نعرہ چھوڑ دیا ہے اور اب "جے ہند" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت رکھی ہے کہ یہ لوگ "جے" کے نعرے کے عادی

ہو جائیں۔ اور جب وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں "جے" کا لفظ دیکھیں تو انہیں احمدیت کی طرف توجہ پیدا ہو۔

آپ کے الہامات میں سے ایک الہام ہندوستان کے متعلق یہ بھی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ پناہ گزیں ہوئے قلعہ ہند میں"7 معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عزت کا مقام حاصل ہونے والا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ باقی اسلامی دنیا میں سے اِس وقت ہندوستان ہی ایسی جگہ ہے جہاں اسلام ظاہری طور پر موجود ہے۔ احمدیت اور غیر احمدیت کے سوال کو جانے دو۔ جہاں تک رسمی اسلام کا سوال ہے ہندوستان میں مکہ اور مدینہ سے بھی زیادہ رسمی طور پر اسلام موجود ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ مکہ مدینہ جانے والوں میں سے کئی لوگ وہاں سے دہریہ ہو کر لَوٹتے ہیں کیونکہ جب یہ لوگ مکہ مدینہ جاتے ہیں تو اپنے دلوں میں بہت نیکی اور تقویٰ کا تصور لے کر جاتے ہیں کہ وہاں کے لوگ بہت فرشتہ سیرت ہوں گے لیکن جب وہاں کے لوگوں کا بُرا نمونہ دیکھتے ہیں تو جلد ہی ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ وہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ ان لوگوں پر تیرہ سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور اب ان کے پاس اصل اسلام نہیں رہا۔ یہ تو ان کی بگڑی ہوئی حالت ہے۔ اس بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگ اپنی حالت کو درست کرنے کی بجائے خراب کر کے آتے ہیں اور نیک دل ہونے کی بجائے پہلے سے بھی زیادہ سنگدل ہو کر واپس آتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک مثل مشہور ہے کہ کسی اسٹیشن پر ایک اندھی عورت گاڑی کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جب گاڑی آئی اور اُس میں سے مسافر اُترے تو کسی مسافر نے اس بیچاری بوڑھی عورت کی چادر اُٹھالی۔ چونکہ صبح کی نماز کا وقت ہونے والا تھا اُس نے اپنی چادر تلاش کی لیکن نہ ملی۔ تو اس نے بے ساختہ کہا۔ بھائی حاجی! مجھ اندھی کے پاس ایک ہی چادر تھی وہ واپس کر دو ورنہ میں سردی سے مر جاؤں گی۔ ابھی وہ یہ بات کہہ ہی رہی تھی کہ ایک شخص نے چادر لا کر دے دی اور کہا یہ لے اپنی چادر۔ لیکن تُو مجھے یہ بتا کہ تجھے کس طرح علم ہوا کہ مَیں حاجی ہوں؟ اُس عورت نے جواب دیا کہ اس قسم کے سنگدلی کے کام حاجیوں کے سوا کون کر سکتا ہے۔ اِس سنگدلی کے پیدا ہونے کی وجہ یہی ہے کہ جب حاجی مکہ مدینہ جاتے ہیں اور وہاں کے لوگوں کی دنیا طلبی اور لُوٹ مار کی حالت دیکھتے ہیں تو اُن کے ایمان متزلزل ہو جاتے ہیں کہ

اگر مکہ مدینہ کے رہنے والے لوگ ایسا کرتے ہیں تو ہم پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

اِس سے زیادہ تکلیف دہ نظارہ اَور کیا ہو سکتا ہے کہ منٰی کے مقام پر قربانی کے دن مَیں نے چھ بکرے ذبح کروائے۔ ایک بکرا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، ایک بکرا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے، ایک حضرت خلیفہ اول کی طرف سے، ایک حضرت والدہ صاحبہ کی طرف سے، ایک اپنی بیوی کی طرف سے، ایک جماعت کی طرف سے اور دو تین بکرے میر صاحب اور دوسرے ساتھیوں نے ذبح کروائے۔ لیکن وہاں حالت یہ تھی کہ قصاب چُھری پھیر کر ابھی ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا کہ بکرا غائب ہو جاتا تھا۔ جب ایک دو بکرے اِس طرح غائب ہو گئے تو مَیں نے قصاب سے پوچھا کہ بکرا جو ذبح کیا گیا تھا وہ کہاں ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ تو یہ لوگ اٹھا کر لے گئے ہیں اور اِسی طرح وہ تمام بکرے لُوٹ مار کر کے اُٹھا لے جائیں گے۔ یہاں کوئی شخص اگر بکرا بچانا چاہے تو لڑ کر ہی بچا سکتا ہے۔

ایک اَور واقعہ اِسی قسم کا عین خانہ کعبہ میں میرے ساتھ ہوا۔ خانہ کعبہ میں طواف کرتے ہوئے ہر بار حجرِ اسود کو بوسہ دینا ضروری ہوتا ہے۔ چونکہ حاجیوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اور اِس ہجوم کی وجہ سے حجرِ اسود کو بوسہ دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ چھوٹی سی جگہ ہے۔ لوگ قطاروں کی صورت میں چلتے ہیں۔ اس تکلیف کو مد نظر رکھتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اجازت دے دی کہ اگر انسان اس طرف سے گزرتے ہوئے حجرِ اسود کی طرف ہاتھ یا سوٹی کا اشارہ کر کے چُوم لے تو وہ بھی حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ لیکن مَیں نے دل میں یہ پختہ ارادہ کیا ہوا تھا کہ جس طرح بھی ہو۔ خواہ کتنی ہی دیر لگ جائے۔ مَیں ہر دفعہ حجرِ اسود کو بوسہ دوں گا۔ ایک دفعہ مجھے حجرِ اسود تک پہنچتے پہنچتے ایک گھنٹہ لگ گیا۔ ہجوم بہت تھا اور بڑی مشکل سے آہستہ آہستہ مَیں حجرِ اسود تک پہنچا۔ مَیں حجرِ اسود کو چومنے لگا ہی تھا کہ مجھے پیچھے سے آواز آئی یا شیخ! حرم!! کہ بھائی ایک طرف ہونا، عورتیں حجرِ اسود کو چُومنا چاہتی ہیں۔ مَیں اِس خیال سے کہ عورتیں پہلے چُوم لیں ایک طرف ہو گیا۔ لیکن مَیں نے دیکھا کہ وہاں عورت تو کوئی نہ تھی بلکہ کچھ عرب لمبے لمبے نوجوان ہنستے اور مسکراتے ہوئے آگے بڑھے اور حجرِ اسود کو بوسہ دینے لگے۔ گویا وہ اس بات پر بہت خوش ہو رہے تھے کہ ہم نے دھوکا دے کر

حجر اسود کو پہلے چُوم لیا ہے۔ اور یہ عین خانہ کعبہ کا واقعہ ہے جو کہ خشیتُ اللہ پیدا کرنے کے لئے انتہائی مقام ہے۔ اس کے علاوہ مکہ مدینہ میں مسکرات کا استعمال کرنے والے لوگ بھی ہیں۔ قتل و غارت کے واقعات بھی بکثرت ہوتے رہتے ہیں۔ ان حالات کو دیکھ کر حاجی لوگ ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب مکہ اور مدینہ میں یہ کچھ ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اگر یہ گناہ کی بات ہوتی تو مکہ اور مدینہ کے لوگ کیوں کرتے۔

ایک خوبی جو مجھے مکہ کے لوگوں میں نظر آئی وہ بھی بیان کرنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ مکہ کے لوگ نمازوں کے بہت پابند ہیں اور خانہ کعبہ کو آباد رکھتے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ اپنی اِس خوبی کی وجہ سے خدا کے عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔ مکہ سے باہر نماز نہیں ہے۔ قاہرہ میں جو جامع مسجد ہے اس میں لاکھ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ وہ مسجد دہلی کی جامع مسجد سے کئی گنا بڑی ہے۔ وہاں مَیں نے دیکھا کہ اس مسجد میں کل سات آدمی نماز پڑھ رہے تھے یعنی ایک امام اور چھ مقتدی۔ اور امام مسجد بجائے اصل محراب میں کھڑا ہونے کے ایک کونہ میں نماز پڑھا رہا تھا۔ مَیں نے اس سے پوچھا کہ آپ اصل محراب میں کیوں کھڑے نہیں ہوئے؟ اس نے کہا کہ مجھے شرم محسوس ہوتی ہے کہ اگر کوئی عیسائی مسجد دیکھنے کے لئے آئے تو وہ کیا خیال کرے گا۔ اس لئے مَیں اصل محراب میں کھڑا نہیں ہوتا تا کہ اگر کوئی دیکھے بھی تو وہ یہ سمجھے کہ اصل جماعت تو ہو چکی ہے اور یہ لوگ اتفاقی طور پر پیچھے رہ گئے تھے اور اب نماز ادا کر رہے ہیں۔ مَیں نے اسے کہا کہ آپ لوگوں کو نماز کے لئے تحریک کیوں نہیں کرتے؟ اس نے جواب دیا کہ کیا کروں؟ بہت کہا ہے مگر وہ آتے نہیں ہیں۔

ان کے اسلام کا تمہیں اس سے بھی اندازہ ہو جائے گا کہ مسقط کا مفتی میرے ساتھ جہاز میں سوار تھا۔ جب ہم قاہرہ میں اُترے تو اُس نے مجھے پتہ بتایا کہ فلاں ہوٹل میں مجھے ملنا۔ جب مَیں اسے ملنے کے لئے ہوٹل میں گیا تو مَیں نے دیکھا کہ وہ اور قاہرہ کا مفتی بیٹھے ہوئے جوا کھیل رہے تھے۔ میرے وہاں پہنچنے پر مسقط کا مفتی تو جوا کھیلنے سے رُک گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مَیں مذہبی آدمی ہوں۔ لیکن قاہرہ کا مفتی چونکہ مجھے نہیں جانتا تھا اِس لئے وہ اُسے مجبور کرتا کہ کھیلو بھی، کھیل چھوڑ کر کیوں بیٹھ گئے ہو، کھیل خراب ہو رہی ہے۔ لیکن مسقط کا مُفتی مجھ سے

شرمانے کی وجہ سے چھوڑ کر بیٹھ گیا۔

تو حقیقت یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں ظاہری اسلام بھی نہیں ہے۔ لیکن ہندوستان میں تو ہزاروں لاکھوں میں ظاہری اسلام موجود ہے۔ بے شک ہندوستان کے مسلمانوں میں گناہ ہیں، خرابیاں ہیں لیکن دل میں اسلام کی محبت موجود ہے۔ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں پر اگر کوئی ظلم ہو تو ہندوستان کے مسلمان ان کے لئے شور مچاتے ہیں۔ ٹرکی پر اگر کوئی ظلم ہو تو ہندوستان کے مسلمان جان دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر مصر پر کوئی ظلم ہو تو ہندوستان کے مسلمان اس کے شریکِ غم بنتے ہیں۔ اگر عرب پر کوئی ظلم ہو تو ہندوستان کے مسلمان مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ فلسطین کے مسلمان اگر کسی تکلیف میں مبتلا ہوں تو ہندوستان کے مسلمان ان کے حصہ دار بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ایران اور افغانستان کو کوئی دوسرا ملک دبانے کی کوشش کرے تو ہندوستان کے مسلمان اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ لیکن دوسرے اسلامی ممالک کا ہندوستان سے یہ سلوک ہے کہ آجکل ہندوستان کے مسلمانوں پر مصائب نازل ہو رہے ہیں اور ان کو دبانے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن ان کے لئے نہ فلسطین کے مسلمانوں کے دلوں میں درد پیدا ہوتا ہے نہ مصر کے مسلمانوں کے دلوں میں درد پیدا ہوتا ہے، نہ ٹرکی کے مسلمانوں کے دلوں میں درد پیدا ہوتا ہے، نہ ہی ایران اور افغانستان کے مسلمانوں کے دلوں میں درد پیدا ہوتا ہے۔ وہ جھوٹی سچی اخوت اور ہمدردی کا اظہار بھی نہیں کرتے۔ ان ممالک کا ایسے موقع پر خاموش رہنا یہ بتاتا ہے کہ ان کو ہندوستان کے مسلمانوں کی تکلیف کا احساس نہیں۔

ہندوستان کے متعلق جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ابھی مسلمانوں کے لئے موقع ہے۔ اگر وہ قدم جمانا چاہیں تو جما سکتے ہیں۔ ان حالات میں ہماری جماعت کی ذمہ داریاں اَور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اسی رؤیا میں جس کا مَیں اوپر ذکر کر آیا ہوں اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ جماعت تبلیغ کے لئے وفد دَر وفد نکلے اور اپنی تبلیغ کو پوری طرح کامیاب بنانے کی کوشش کرے۔ پس تمام افرادِ جماعت کو اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہئے اور تاریک مستقبل کو روشن بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہی مسلمانوں کا اور ہمارا محافظ ہے۔ ہماری ترقی دوسرے مسلمانوں کی ترقی سے وابستہ ہے۔ اگر دوسرے مسلمانوں کو اِس وقت کوئی نقصان پہنچے تو ہم اس سے بچ نہیں سکتے۔ لہٰذا ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم دوسرے مسلمانوں کی بھی مدد کریں لیکن سب سے مقدم فرض اسلام کو مضبوط کرنا ہے، اسی میں ہماری کامیابی ہے۔ ورنہ ہم نے تمام دنیا کے اعمال اور عقائد کی غلطیاں نکال کر اُن کو اپنا دشمن بنالیا ہے۔ اگر ہم جلدی کامیاب نہ ہوئے تو یہ لوگ اقتدار کے وقت ہماری تِکّا بوٹی اُڑادیں گے۔ آج دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جو ہم سے خفا نہ ہو۔ عوام ہم سے خفا ہیں، لیڈر ہم سے خفا ہیں، سکھ ہم سے خفا ہیں، عیسائی ہم سے خفا ہیں، کونسی جماعت اور کونسا مذہب ہے جس سے ہماری لڑائی نہیں ہوئی۔ گو یہ لڑائی عقائد کی لڑائی ہے لیکن دنیا میں اِس سے زیادہ مشکل لڑائی اَور کوئی نہیں۔ باوجود اِس کے کہ ہم کسی کو مارتے نہیں بلکہ ماریں کھاتے ہیں پھر بھی دنیا ہماری دشمن ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ عقائد اور خیالات پر جرح کرنا غیر مذاہب والوں کے نزدیک لڑائی سے کم نہیں۔ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپ کے صحابہؓ مکہ میں کسی کو مارتے تو نہ تھے پھر بھی دشمن نے آپؐ کو اور آپ کے صحابہؓ کو شدید سے شدید تکلیفیں دیں اور ان کے خلاف قتل کے منصوبے کئے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کی وجہ یہی تھی کہ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپؐ کے صحابہ مکہ کے کفار کے عقائد اور اعمال کی غلطیاں نکالتے تھے اور آج وہی کام ہم کرتے ہیں۔ اِس لئے ضروری ہے کہ ہم سے بھی ویسی ہی دشمنیاں اور عداوتیں رکھی جائیں۔ اور جب تک ہم یہ کام کرتے ہیں اس وقت تک دنیا ہمیں اپنا دوست نہیں سمجھتی۔ یہ تو صحیح ہے کہ ان کے خلاف ہم سازشیں نہیں کرتے، نہ ہی ہم ان پر حملہ کے منصوبے کرتے ہیں۔ پھر وہ کیوں ہمارے دشمن ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ کسی جماعت کی قومی روایات پر حملہ کرنا اس کی جانوں پر حملہ کرنے سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ لوگ اپنی جانیں دے دیتے ہیں لیکن اپنی قومی روایات کے برخلاف نہیں سن سکتے کیونکہ قومی روایات پر جو حملہ ہوتا ہے اس سے ساری قومی عمارت گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ پس یہ حملہ افراد پر حملہ کرنے سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ کسی سکھ کے مرنے سے سکھوں کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ لیکن اگر سکھوں سے یہ کہا جائے کہ حضرت باوانانک رحمہ اللہ مسلمان تھے تو یہ عقیدہ ان کی ساری عمارت کو

گرا دینے کے مترادف ہے۔ اسی طرح عیسائی مرتے ہیں ان کے مرنے سے یا ان کو مارنے سے عیسائیت کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں تو اِس سے عیسائی دنیا کی ساری عمارت جو اُلوہیتِ مسیح کے سہارا پر کھڑی ہے دھڑام سے زمین پر آ پڑتی ہے۔ مسلمان مرتے ہیں ان کے مرنے یا مارنے سے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا لیکن اگر یہ کہا جائے کہ وہ مسیح جس کے متعلق آپ لوگ امیدیں لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ آ کر کافروں کو قتل کرے گا اور ان کی تمام دولت تمہارے حوالہ کر دے گا۔ تمہارا وہ مسیح نہیں آئے گا، وہ مر چکا ہے اور جس نے آنا تھا وہ آ چکا ہے ایسا کہنے سے مسلمانوں کی امیدوں کے تمام قلعے مسمار ہو جاتے ہیں۔ ہندو ہر روز مرتے ہیں ان کے مرنے یا مارنے سے ہندو مذہب کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ لیکن اگر انہیں یہ کہا جائے کہ نہ کلنک اوتار جس کے تم منتظر ہو وہ آ گیا ہے مگر وہ ہندوؤں میں سے نہیں بلکہ وہ مسلمانوں میں سے آیا ہے اور اب جو اسے ماننا چاہے اس کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی ضروری ہے۔ ایسا کہنے سے ان کے تمام خیالی محلات گر جاتے ہیں اور ان کی بادشاہت کی امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ پس کوئی قوم ایسی نہیں جس کی قومی عمارت پر ہم نے حملہ نہ کیا ہو اور کوئی قوم ایسی نہیں جس سے ہم نے ٹکر نہ لی ہو۔ اِس کے باوجود کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ غلبہ حاصل ہونے کی حالت میں یہ قومیں تم سے بدلہ لئے بغیر تمہیں چھوڑ دیں گی؟ وہ تو تمہارا قیمہ کر کے بھی خوش نہیں ہوں گی۔ بلکہ اگر اس سے بھی کوئی باریک چیز بن سکتی ہے تو وہ بنا کر خوش ہوں گی۔

پس ہوشیار ہو جاؤ اور بیدار ہو جاؤ کہ آنے والا زمانہ بہت سی بھیانک اور مُہیب تکلیفیں اپنے ساتھ لا رہا ہے۔ تم میں سے جو ابھی تیاری نہیں کرے گا وہ حملہ کے وقت گر جائے گا۔ وہ پانچ سال جن میں جماعت کے لئے تغیرات کی توقع ہے وہ یہی پانچ سال معلوم ہوتے ہیں۔ وہ پانچ سال 1949ء میں جا کر ختم ہوتے ہیں۔ ☆ بہر حال جتنے دن یا جتنے مہینے یا جتنے سال باقی ہیں اُن میں اپنی پوری تیاری کرو اور اپنے اندر عظیم الشان تغیر پیدا کرو اور دیوانہ وار تبلیغ میں لگ جاؤ۔ اگر ہماری تبلیغ کامیاب ہو گی تو ہماری زندگی بھی کامیاب ہو گی۔ ورنہ ہماری ذرا سی

☆ پہلے ایک خطبہ میں 1948ء غلط چھپا ہے کیونکہ 1944ء میں مَیں نے وہ خواب دیکھا تھا۔

کوتاہی ہمیں بہت دور لے جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری حقیر کوششوں کو بار آور کرے اور جب ہمیں موت آئے تو ہم خوش ہوں کہ ہم دنیا سے کامیاب جا رہے ہیں۔ ہر انسان یہ خواہش رکھتا ہے کہ کامیابی کا سہرا اُس کے سر بندھے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہم اس سے محروم نہ رہ جائیں۔" (الفضل یکم نومبر 1946ء)

---

1: الفرقان: 57

2: الواقعة : 40، 41

3: الواقعة : 14، 15

4: تذکرہ صفحہ 380۔ ایڈیشن چہارم میں الہام کے الفاظ یہ ہیں "ہے کرشن رُودّر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔"

5: تذکرہ صفحہ 672۔ ایڈیشن چہارم

6: سبھاش چندر بوس (Subas Chandra Bos)
1897ء میں پیدا ہوئے۔ نیتا جی (Netaji) کے نام سے معروف تھے۔ ہندوستان کی تحریک آزادی میں بنیادی کردار ادا کرنے والوں میں سے تھے۔

7: تذکرۃ صفحہ 485۔ ایڈیشن چہارم